WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورَۃُ البَلَد

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام البلد ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیس آیتیں، بیاسی کلمے، تین سو بیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رئیسوں کے گھٹیا کردار کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کر دیا تھا۔

مضامین : قسم اٹھا کر انہیں بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ خیال سراپا لغو ہے کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ تم پر کسی کا قابو نہیں۔ تم فضول باتوں میں اور جھوٹی نمود کے لیے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس نے تمہیں یہ رزق عطا فرمایا ہے وہ تمہارے اس غلط استعمال سے آگاہ نہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ انسان کے جسمانی اور روحانی دونوں فطری تقاضوں کی تکمیل پر یکساں توجہ مبذول کرتا ہے۔ نہ وہ انسان کو مادی لذتوں میں کھو جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اُن سے کُلیّتاً قطع تعلق کر کے صرف روحانی لطافتوں میں محو ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سورت میں اُن اعضاء اور جوارح کا ذکر کرنے کے بعد جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ اُسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تجھے عقاب کی قوّتِ پرواز دی گئی ہے اس سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں کو سر کرنے کے لیے پرکشا رہو۔ اس مقصد کے لیے جو اعمالِ حسنہ ناگزیر ہیں اُن کا ذکر بھی کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ قحط سالی کے دنوں میں فاقہ زدہ لوگوں کی خوراک کا اہتمام کرنا، یتیموں اور مسکینوں پر شفقت کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے چراغ کو روشن رکھنا، خود صبر کرنا اور دوسروں کو صبر اور ہمدردی کی تلقین کرنا یہ وہ اعمال ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی منزل پا لیتا ہے لیکن جو غریبوں کی مادی ضروریات کو استطاعت کے باوجود پورا کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے

نیو سنٹرل جیل سرگودہا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں بیس آیات ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔ درآں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں ۱ اور قسم کھاتا ہوں

وَمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝٤ اَیَحْسَبُ اَنْ

باپ کی اور اولاد کی ۲ بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے ۳ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ

۱ لا زائدہ ہے اور قسم کو مؤکد کرنے کے لیے مذکور ہوا ہے۔

البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہاں شہر مکہ کی اس حیثیت سے قسم اٹھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء اس میں تشریف فرما ہے۔ یہ شہر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے لیکن اس مکین ذی شان کی وجہ سے جو عزت و شرف اس کو حاصل ہوا ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔

وانت حِلٌّ الخ والا جملہ حال ہے مقسم بہ البلد کا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں اقسم اللہ سبحانہ بمکۃ مقیدا بحلول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اظہارا لمزید فضلہا بشرف المتمکن علی فضل اہلہا فقیہا (مظہری) وانت حِلٌّ الخ کے دو مفہوم اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی اذیت رسانیوں پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ ویسے تو اس شہر کو یہ لوگ امن کا شہر قرار دیتے ہیں۔ نہ وہاں کسی جنگلی جانور کو ستاتے ہیں نہ اس کے درختوں اور گھاس کو کاٹتے ہیں۔ ان کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لے لے تو وہ اس پر بھی دست درازی نہیں کرتے لیکن اسی حرم میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے کو اپنے لیے حلال سمجھ رکھا ہے اور حضور کو تکلیف دینے سے یہ لوگ باز نہیں آتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے یہ شہر حلال کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی کافر کو قتل کریں یا اس کو سزا دیں آپ اس کے مجاز ہیں۔

۲ والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ما ولد سے مراد آپ کی ساری اولاد ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

۳ یہ جواب قسم ہے یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر کے بزم عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنایا گیا ہے۔ خطرات و مصائب اور اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اس کا حمل رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو اس وقت سے ہی طرح طرح کے خطرات اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ ہر لحظہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بیماریاں، ناکامیاں، محرومیاں اور منافقین کی منافقتیں، نفس و شیطان کی ریشہ دوانیاں قدم قدم پر اس کا راستہ روکے کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی کے کارواں کو انہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے گویا

لَنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝٥ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦

اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا ۴ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا ۵

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝٧ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا

کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ۶ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں ۷ اور ایک زبان

انسان کی زندگی کا مقصد مصیبتوں اور تکلیفوں سے نبرد آزما ہونا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس میں مضمر امکانی قوتیں اور صلاحیتیں کبھی نشوونما نہ پا سکیں اور یہ قطرہ کبھی دُرِ شہوار نہ بن سکے۔ الکبد: المشقۃ والشدۃ (المنجد) مشقت اور شدت کو کبد کہتے ہیں۔

۴ اس کے باوجود کہ خطرات و آلام نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس سے بازپرس کر سکے یا جس کے حکم کے سامنے یہ سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اس کی کم فہمی ہے۔ اس کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ حادثات کا ایک ریلا اس کا بھرکس نکال کر رکھ دے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

۵ لُبَدًا: لُبَدَۃٌ کی جمع ہے۔ وہ چیز جس کو ڈھیروں میں جمع کیا جائے۔

دنیادار لوگ اپنی ثروت کی نمائش کے لیے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کبھی کاریں خرید کر اپنی زیبائش شان و شوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اُڑا دیے جاتے ہیں اور اس چیز کو ہی یہ لوگ اپنے لیے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا۔ ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔

۶ اس آیت سے ان کی اس حرکت کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان سے اس فضول خرچی کے بارے میں بازپرس ہوگی کہ تمہارے پڑوس میں صدہا غریب اور مسکین ضروریاتِ زندگی کے لیے ترستے رہے اور تم لوگ اپنی نام و نمود کے لیے دولت کو لٹاتے رہے، تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کو صرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔

۷ یہاں ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس ناشکر گزار انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ ان کی قدر پہچانتا اور ان سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں بند کر کے سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا۔ فرمایا ہم نے اس کو دو آنکھیں دی ہیں جن سے وہ اپنے معاشرے کے نشیب و فراز کو پہچان سکتا ہے ضرورت مند لوگوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، بے نوا اور بے کس لوگوں کے حالات کو پہچان سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے ان کی امداد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان دی ہے اور اس کو دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے مافی الضمیر کا

وَشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝١٠ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ وَمَآ

اور دو ہونٹ ۔ اور ہم نے دکھادیں اسے دونوں نمایاں راہیں شہ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی) دشوار گھاٹی میں ۹ اور

اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ

کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے ۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن

مَسْغَبَةٍ ۝١٤ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝١٥ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝١٦ ثُمَّ

(قحط سالی) میں ۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے ۔ یا خاک نشین مسکین کو نلہ پھر

صحیح اظہار کرسکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی نیکی کی دعوت دے سکتا ہے، غرباء و مساکین کی امداد پر انہیں برانگیختہ کرسکتا ہے۔

شہ النجد: الطریق فی ارتفاع۔ بلند سطح پر جو راستہ ہو اس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے صرف انسان کو حواس ظاہری اور باطنی ہی عطا نہیں فرمائے بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس کے سامنے نیکی اور برائی کے راستوں کو واضح کردیا ہے، اسے ارادہ اور اختیار کی آزادی دی ہے کہ اب جس راستے کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس پر گامزن ہو جائے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے یایھا الناس انما ھما النجدان۔ نجد الخیر ونجد الشر فلم تجعل نجد الشر احب الیک من نجد الخیر (قرطبی) اے لوگو! تمہارے لیے دو راستے ہیں، ایک بھلائی کا راستہ ایک برائی کا راستہ۔ پس تم کیوں برائی کے راستے کو نیکی کے راستے سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

۹ اقتحم کا معنی ہے بلا سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں پھینک دینا۔ الاقتحام الرمی بالنفس فی شیء من غیر رویۃ۔ جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرادے تو عرب کہتے ہیں تقحم الفرس فارسہ تقحیما علی وجہہ اذا رماہ۔ العقبۃ: الطرق الصعب من الجبال، الطریق فی اعلی الجبال۔ (المنجد) دشوار گزار پہاڑی راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی بلندی کی طرف جاتا ہو۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لیے اپنی دولت کریں لٹاتے چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کردیے گئے تھے تو وہ اس راستے پر چلتے جو حقیقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس کو طے کرنا از حد دشوار ہے لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایان شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کی مشقت کو بطیب خاطر انہیں قبول کرنا چاہیے تھا۔ لیکن سخت کوشی سے ان کی سہل انگار طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لڑھکنا جانتے ہیں، وہ بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے قاصر ہیں۔

نلہ یہاں سے اس کٹھن راستے کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جو انسان کے شایان شان ہے۔ فرمایا کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے، کسی رشتہ دار یتیم کو عام قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتے یا ایسے مسکین کی طرف دست تعاون دراز کرتے جس کو فقر و تنگ دستی نے خاک نشین بنادیا ہے۔ بے شک ان امور میں مال خرچ کرنے سے ان کی شہرت کا

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا

وہ ایمان والوں سے ہو ۱۱ جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت

دکھانا ہوتا۔ اس طرح اگرچہ ان کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ نہ کرتی لیکن ضرورت مندوں کی امداد کر کے، ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے وہ ایسا کام کرتے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔

چند مشکل الفاظ۔ مَسْغَبَةٍ: مصدر میمی ہے سغب سے۔ ابوحیان کہتے ہیں کہ عام بھوک کو مسغبة کہتے ہیں۔ امام راغب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے هو الجوع مع التعب۔ بھوک اور تھکن دونوں کے مجموعے کو مسغبة کہتے ہیں۔ یعنی ایسے دنوں میں کھانا کھلانا جب ہر طرف قحط کا دور دورہ ہو، غذائی اجناس بازار میں کمیاب ہوں اور ان کی قیمت گراں ہو جائے۔ ایسی حالت میں اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بڑا نیک عمل ہے۔ ہر یتیم کی امداد کرنا اگرچہ کار ثواب ہے لیکن رشتہ دار یتیم کی اعانت سے دگنا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں یکجا ہو جاتی ہیں۔ مسکینا ذا متربة: متربة بھی مصدر میمی ہے۔ یعنی جب وہ اتنا محتاج ہو جائے کہ مٹی کے ساتھ مل جائے۔

یہاں تین چیزیں مذکور ہیں۔ ① عام قحط سالی اور غذائی اجناس کی نایابی کے وقت کھانا کھلانا۔ ② اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔ ③ اور ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہو۔ اس عمل کو قرآن نے عقبہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غذائی اجناس کی فراوانی ہو اور ہر چیز سستے داموں خریدی جا سکے اس وقت کسی کو کھانا کھلانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ غذائی اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی فاقہ کشی کا خطرہ بھی لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہوگی۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لیے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوتی جو اہل دنیا کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے ان کو اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا چرچا کریں گے لیکن وہ مسکین جس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں، جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں، جس میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لا سکے، ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اس کو قبول کرے گا۔ دل سے آپ کا شکرگزار بھی ہوگا لیکن اس میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گا سکے۔ اس لیے ایسے ایسے لوگوں پر اتنی ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف ان لوگوں کا ہی کام ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے متمنی ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں ان کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔

۱۱ یعنی ان تمام اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو کیونکہ کوئی عمل ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔ فان شرط قبول الطاعة الایمان باللہ۔

ثم کان من الذین اٰمنوا کا معنی علامہ قرطبی نے یہ کیا ہے ای فعل هذه الاشیاء وهو مؤمن۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں ثُمَّ بمعنی واؤ ہے۔

بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے ہیں رحمت کی ۱۲ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں ۱۳ اور جنہوں نے انکار کیا

بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ع ۱ / ۱۵

ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں - ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ۱۴

۱۲ آیت کے ان دو جملوں میں اسلامی معاشرے کی دو خصوصیتیں بیان کی گئیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو بطیب خاطر گوارا کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وتواصوا بالمرحمة۔ وہ تنگ دل نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا گویا بے تاب ہو جاتا ہے۔ ان کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہوگی وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے، انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں، لیکن جب تک ان میں اجتماعی اور عمومی رنگ پیدا نہ ہو وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں، وہ اس ظلمت کدۂ عالم کو سچی منزلوں کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک، صالح، متقی اور صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اسی رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔

۱۳ یعنی یہ لوگ جن کے سینوں میں ایمان کا چراغ بھی روشن ہے اور جو مذکورہ بالا صفات سے بھی متصف ہیں، یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کو ان کے اعمال نامے قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

۱۴ جو بدنصیب ان خوبیوں سے محروم ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ مؤصدة: ای مطبقة مغلقة۔ جب دروازے کو بالکل بند کر دیا جائے تو اہل عرب کہتے ہیں اوصدت الباب ای اغلقتہ۔ یعنی ان کو آگ میں پھینک دیا جائے گا اور دروازے بند کر دیے جائیں گے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک وممات فی بلد حبیبک
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم